کیا یہ ملک شاہ پور کا نجراں بن جائے گا

عمار چوہدری

18 جون 2010 روزنامہ ایکسپریس

کیا یہ ملک اب شاہ پور کا نجراں بن جائے گا؟ یہ سوال آج ہر دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ یہ کیسا عجیب ملک ہے جس میں وزیر چار چار لاکھ مہینے کا پٹرول پی جاتے ہیں، جہاں اداکارائیں اپنی منگنی پر ستائیس ستائیس لاکھ کا جوڑا پہنتی ہیں اور جس میں اشرافیہ اپنے پالتو کتوں کو روزانہ دو ہزار کا جیم اور مکھن کھلا دیتی ہے، اسی ملک میں ایسے بدقسمت خاندان بھی ہیں جو بچوں کے حلق میں نوالہ اتارنے کی سکت نہیں رکھتے اور جو اپنے ہی ہاتھوں اپنے پیاروں، اپنے جگر گوشوں کو زہر کے جام پلانے پر مجبور ہیں۔ شاہ پور کا نجراں کے اکبر اور اسکے بیوی بچوں کے ساتھ بھی یہی کچھ ہو۔ 40 سالہ اکبر اپنی 35 سالہ بیوی مزمل، چھ بچوں 7 سالہ کائنات، 8 سالہ ایمان، 11 سالہ نادیہ، 14 سالہ بینش، اڑھائی سالہ عائشہ، 5 سالہ علی رضا، بھائی امجد، بھابی طاہرہ اور والدین کے ہمراہ تین کمروں کے ایک گھر میں رہائش پذیر تھا۔ چند ماہ قبل تک اکبر ہوزری کا کام کرتا تھا مگر حکومت کی مہربانی سے لوڈ شیڈنگ شروع ہوئی تو اس کی فیکٹری بند ہو گئی اور وہ بیروزگار ہو گیا۔ بچوں اور والدین کا پیٹ پالنے کیلئے اس نے دیہاڑی پر کسی کا رکشہ چلانا شروع کر دیا مگر گزر بسر بہتر نہ ہوئی۔ پھر اس نے مقامی سود خور کے پاس اپنی بھابھی کا زیور

رکھوایا اور بدلے میں 15 ہزار روپے کا قرض لیا۔ اس دوران اکبر کی بیٹیوں کی سکول کی فیسیں وقت پر نہ دینے پر نکالے جانے کے نوٹس آنے لگے۔ دوسری جانب اکبر پر 15 ہزار روپے سود بن گیا تھا۔ اس نے محلے داروں، دوستوں اور دیگر رشتے داروں سے بھی رقم ادھار لے رکھی تھی۔ وہ جب بھی کہیں سے گزرتا لوگ اس سے رقم کی واپسی کا مطالبہ کرتے۔ تنگ آ کر اکبر نے ایک خوفناک فیصلہ کیا۔ دو روز قبل رات گئے اس نے اپنی بیوی اور تین بیٹیوں ایمان، بینش اور نادیہ کو کمرے میں بلایا اور انہیں کہا کہ ان کی غربت اور غموں کا بس یہی علاج ہے کہ وہ زہر کو خوشیوں کا جام سمجھ کر پی لیں۔ اکبر نے سب کے سامنے گلاس رکھے اور ان میں پانی ڈال کر زہریلی گولیاں ملا دیں۔ اس دوران چودہ سالہ بینش رونے لگی اور پانی پینے سے انکار کر دیا جس پر اکبر خود بھی رو پڑا

اور بینش سے کہا کہ سب تو مرنے لگے ہیں وہ زندہ رہ کر کیا کرے گی۔ یہ کہہ کر اس نے خود بھی پانی پی لیا اور اس کی دیکھا دیکھی سب نے گلاس انڈیل لیے۔ حالت غیر ہونے پر انہیں جناح ہسپتال داخل کروایا گیا جہاں اکبر، نادیہ، ایمان اور بینش چل بسے جبکہ مزمل بی بی کو بچا لیا گیا۔ اس سانحے پر پورا گاؤں سوگ میں ڈوب گیا، ہر کوئی سود خور کو لعن طعن کرتا رہا اور بچ جانے والے بچے باپ اور بہنوں کی لاشوں سے لپٹ لپٹ کر روتے پیٹتے رہے۔

اکبر اور اس کی بچیوں کی موت ایک المناک حادثہ بھی ہے اور سنگین

جرم بھی اور یہ جرم تین مجرموں نے مل کر کیا ہے، اس کی پہلی مجرم حکومت ہے، ہماری حکومت جانتی ہے کہ لوگوں کی زندگیاں تنگ ہو رہی ہیں۔ مہنگائی آسمان سے باتیں کر رہی ہے اور زندہ رہنا محال ہو چکا ہے لیکن حکومت کی شاہ خرچیاں ختم ہونے کو نہیں آ رہیں اور ابھی بھی سادگی اپنانے کو تیار نہیں۔ آخر وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف کو یہ کہنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی کہ یہ واقعہ غربت نہیں، گھریلو جھگڑوں کی وجہ سے ہوا؟ کیا لفظوں کی لیپا پوتی سے مسائل حل ہو جائیں گے اور کیا انہیں سود خوروں کے خلاف ایکشن کا اعلان نہیں کرنا چاہیے تھا؟ حکومت اور سیاستدانوں کے یہ رویے عوام کیلئے مایوسی کا باعث بن رہے ہیں اور یہ مایوسی انہیں موت کے منہ میں دھکیل رہی ہے۔ شاہ پور کانجراں کے المیے کا دوسرا بڑا مجرم میڈیا ہے۔ ہمارے اصل ایشوز کیا ہیں، ہماری ترجیحات کیا ہونی چاہئیں، ہمیں کچھ علم نہیں۔ ہم احتساب چاہتے ہیں لیکن یکطرفہ۔ ہم جعلی اور ملاوٹ شدہ دودھ، پانی، خوراک اور ادویات خرید رہے ہیں لیکن ہم ان ایشوز پر ڈٹ کر بات کرنے کو تیار نہیں اور ہمارے اس رویے کی وجہ سے عوام ہم سے بھی مایوس ہوتے جا رہے ہیں اور یہ مایوسی انہیں موت کی بانہوں میں دھکیل رہی ہے اور شاہ پور کانجراں کے المیے کا تیسرا اور آخری مجرم خود عوام ہیں۔ آخر یہ پڑھے لکھے لوگوں کو ووٹ کیوں نہیں دیتے اور آزمائے ہوئے لوگوں کو دوبارہ کیوں آزماتے ہیں۔ مجھے یقین ہے اکبر سود خور کے پاس جانے سے قبل میرے یا آپ جیسے کسی خوش پوش کے

پاس بھی آیا ہوگا اور اس نے یہ کہہ کر انکار کیا ہوگا کہ بھائی میرے حالات بھی کچھ اچھے نہیں۔ دیکھا جائے تو ہم میں سے ہر وہ شخص اس خاندان کا مجرم ہے جس کے پاس ضرورت سے زائد ہے، جس

کے پاس ایک گھر ہے لیکن وہ فالتو گھر اور پلاٹ چاہتا ہے، جس کے پاس گاڑی ہے لیکن وہ اضافی اور نئے ماڈل کی گاڑیوں کی تلاش میں رہتا ہے، جو ایک حج کر چکا ہے لیکن نفلی حج اور عمروں پر جاتا ہے اور اس خاندان کی موت کا ہر وہ شخص مجرم ہے جو زکوۃ ادا نہیں کرتا، جو بخیلی اور ذخیرہ اندوزی کرتا ہے اور جو سائل کو بوٹ کی ٹھوکر پر رکھتا ہے اور اس المیے کا سب سے بڑا مجرم خود اکبر بھی ہے۔ اکبر نے یہ کام کر کے کوئی نیکی نہیں کمائی۔ اکبر جیسی کیفیت سے اس وقت لاکھوں خاندان گزر رہے ہیں۔ کیا ان سب کو اکبر کے نقش قدم پر چلنا چاہیے؟ نہیں۔ مانا یہ معاشرہ بڑا بے حس ہو چکا ہے لیکن اس میں اس وقت بھی ایسے ادارے، ایسے لوگ موجود ہیں جو محتاجوں کا بڑا سہارا ہیں۔ ضرورت بس ان کو تلاش کرنے کی ہے اور ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے۔ اکبر کو چاہیے تھا کہ وہ سود خور سے قرض لینے کی بجائے ایسے اداروں سے رابطہ کرتا جو بلاسود قرض دیتے ہیں اور ان میں سب سے اہم اخوت ہے۔ اگر وہ اخوت کے چیئرمین ڈاکٹر امجد ثاقب یا ڈائریکٹر ڈاکٹر اظہار جیسے فرشتہ صفت انسانوں کو صرف ایک فون کر لیتا، اپنے علاقے میں موجود اخوت کے آفس چلا جاتا اور وہاں سے بلاسود قرض لے لیتا تو اس کے کاروبار میں برکت بھی پڑتی اور گھریلو

حالات بھی بہتر ہو جاتے۔ اخوت جیسے ادارے ان ہزاروں خاندانوں کو آکسیجن فراہم کر رہے ہیں جو اکبر کی ڈگر پر چل کر موت کو قبول کر سکتے تھے لیکن انہوں نے زندگی کے چیلنج کو قبول کیا اور ہمت اور جوانمردی سے مقابلہ کیا۔ اکبر کے اس اقدام پر ہر آنکھ اشکبار ہے لیکن آج، اگر حکمران، سیاستدان، میڈیا اور ہم عوام اپنا اپنا جرم قبول کر لیں، اپنا قبلہ درست کر لیں، اپنے اردگرد موجود ڈرائیوروں، سکیورٹی گارڈوں، خانساموں، کلرکوں، غریبوں اور بیروزگاروں کی زندگی میں دلچسپی لینا شروع کر دیں، ان کا ہاتھ تھام لیں تو یہ ملک شاہ پور کا نجراں بننے سے بچ جائے گا، پھر ایسی المناک خبریں بھی نہیں آئیں گی اور پھر کوئی اکبر اپنی بیوی، اپنی بیٹیوں کو زہر کے جام نہیں پلائے گا۔